بسم اللّٰہ الرحمان الرحیم

حرمتِ رسالت مآب ﷺ، مسئلہ فلسطین اور مدخلی راگنی

(منہجِ جہاد، دعوتی ماڈرنزم، حکامِ عرب، مدخلیت اور روایتی علماء)

حافظ ضیاء اللّٰہ برنی روپڑی حفظہ اللہ

مدخلیت کی راگنی اور اس کے مضمرات:

- عرب حکمران کیا کریں؟
- زمینی حقائق موافق نہیں۔
- پہلے سب مسلمان اپنا ایمان مضبوط کریں، پھر دفاعِ مسجد اقصیٰ کے بارے میں سوچیں۔
- مسجد اقصیٰ جلتی رہے، مسلمان مرتے رہیں اور عرب حکمران ٹس سے مس نہ ہوں تو بھی اُن کی سمع وطاعت ضروری ہے۔
- یہود سے قتال کی بات ردِعمل کی سوچ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ایسا کہنے والوں میں روایتی علماء کا ایک طبقہ (بشمول بعض متخرجینِ مدینہ یونیورسٹی)، مغرب سے مرعوب داعی، مختلف دعوتی اِدارے اور عوام کی اچھی خاصی تعداد شامل ہے جو عموماً اوّل الذکر طبقے سے متاثر ہوتے ہیں، یا اُن کی کم علمی ہی کو دین سمجھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ سوچ اور اس کا یوں بے دھڑک اِبلاغ نہایت خطرناک فتنہ ہے کیوں کہ حرمات وشعائرِ دینیہ کا تحفظ اور ان کے دفاع کے لیے جہاد کرنا ایک اُصولی واعتقادی مسئلہ ہے جس میں معمولی سا انحراف بھی ایک مسلمان کے دین کی بنیاد منہدم کرسکتا ہے۔ ایسے میں بغیر کسی تحقیق وتفقّہ اور اپنے نادرست موقف کے عواقب سے قطعِ نظر کرتے ہوئے کلام کرنے والے علماء، یا کسی دینی مدرسے میں دو چار سال لگانے والے مفتیوں اور جگہ جگہ "Podcast" اور "Talks" کے نام پر فری راہنمائی بانٹنے والوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ جہاں گھنٹوں نہیں، بلکہ

منٹوں کے حساب سے حالات کی سنگینی تبدیل ہو رہی ہو اور اُمت کا خون یوں ارزاں ہو، وہاں دقیق نظری ودُور اندیشی سے تہی دامن مفکروں، عمق ریزی وعاقبت اندیشی سے خالی سطح بین مصلحوں، فکری صلابت واِصابت سے عاری متفقّہوں اور اپنے من کی دنیا کے اسیر اِن ''دردمندوں'' کو ربِ ذوالجلال کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنا چاہیے.....!!

مدخلیت کے پرچارک اور ''خلافت'' کا سستا بازار:

عرب حکمرانوں کا ذکر خصوصیت سے اس لیے کیا ہے کہ اُن کو بعض حضرات پاک پوتر ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ یہاں کی مقتدر قوتیں بھی برابر کی مجرم ہیں اور ناصحین انھیں حق سناتے ہوئے عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہتے ہیں، لیکن پاکستانی حکمرانوں نے ان عربوں کی طرح کبھی ''خلیفۃ المسلمین'' ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ بعض عربوں کی طرح شرعی سمع وطاعت کے نام پر احکاماتِ الٰہیہ سے کھلواڑ کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو جمہوریت پسند کہتے ہیں اور اسی کے اُصولوں کے مطابق چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ظلم کرتے ہیں تو گالیاں بھی کھاتے ہیں کہ یہ جمہوریت کا ''حسن'' ہے۔ اسی طرح اگر یہاں اسلام کی بجائے الحاد فروغ پا رہا ہے تو یہ بھی جمہوریت اور اس کی معاشی فرع ''کیپٹل ازم'' کا ہی حسن ہے کیوں کہ جمہوریت کا اسلامی نظامِ حکومت یا نظامِ عدل سے کوئی تعلق نہیں، البتہ جبر کے باوجود پاکستانی جمہوری نظام میں جتنی آزادیِ اظہارِ رائے ہے اور حق گوئی کا امکان موجود ہے، ان ''خلافتِ اسلامیہ'' والے عرب ملکوں میں اس کا عُشر عشیر بھی نہیں!

پاکستانی جمہوری حکمرانوں کو ''خلیفۃ المسلمین'' کہنے کا فتنہ حال ہی میں ایک عرب ملک سے درآمد ہوا ہے۔ یہ مدخلی حضرات ہیں جن کی فکر کو پہلے پہل یہاں کچھ دوغلی مذہبی سیاسی جماعتوں نے اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا جس پر اہلِ علم نے محض تذکیر اور پند وموعظت سے کام لیا، لیکن اب یہ بزرج مہر حرمتِ رسالت مآب ﷺ اور حرماتِ دینیہ کے تحفظ کے لیے مبارک اور وجوبی جہاد ہی ہاتھ صاف کرنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں جس کے لیے حکمرانوں کو کچھ ایسا تقدس دینے کی کوشش کی جا رہی ہے جو صرف اللہ کے رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ ان کی اس حرکت پر ایوان میں بیٹھے جمہوری حکمران بھی ہنستے ہوں گے جو حزبِ اختلاف کو اپنے وجود کا حصہ سمجھتے ہیں!

لیکن مدخلیوں کو اس کی پروا نہیں۔ وہ ''منہجِ سلف'' کے نام پر شہواتِ دُنیا کی خوب تسکین کر رہے ہیں۔ امر بالمعروف یا جہادِ اسلامی کے ہر قائل وفاعل کو ''خروجی'' اور ''خارجی'' جیسے القاب دینا ان کا ہتھکنڈا بن چکا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جہاد کے نام پر فساد اور چندہ خوری بھی کی جاتی رہی اور کلمہ گو مسلمانوں کو قتل بھی کیا جاتا رہا جس کے تصور ہی سے روح کانپتی ہے، لیکن منافقین کا آلۂ کار بن کر جہادِ شرعی ہی کو معطل کر دینا، یا کفار (یہود وہنود) کو حرمتِ رسالت مآب ﷺ اور اُمتِ مسلمہ کی عصمت وآبرو پامال کرنے اور زمین پر بدترین فتنہ وفساد بپا

کرنے کی راہ دے دینا کون سا دین ہے؟

حقیقت ہے کہ ان لوگوں کو منہجِ جہاد کا علم ہے اور نہ اُمت کی سطح پر سوچنے کی تربیت۔ ''پہلے تقویٰ اختیار کرو''، ''مکی دور ہے'' وغیرہ وغیرہ ہر مسئلے کا حل دو گولی ڈسپرین تجویز کرنے والی ایسی ہر سوچ کا جہل واضح کرنا اب اہلِ علم پر واجب ہو چکا ہے۔ جو لوگ ''مصلحت'' کے عنوان پر خاموش ہیں، یا زیرِ لب اور دھیمے سروں میں ان کی حمایت کرنے والے ہیں تو حقیقتاً وہ بھی ان کے شریکِ جرم ہیں۔

ہم آئندہ سطور میں ان شاء اللہ جہاد، خصوصاً جہادِ فلسطین کے قضیے میں نہ صرف مذکورہ بالا سوچ کا جہل واضح کریں گے، بلکہ بتوفیقہٖ تعالیٰ اُس عظیم امرِ الٰہی (جسے اللہ کے رسول ﷺ نے دین کی چوٹی قرار دیا ہے) کی حقانیت بھی واضح کریں گے۔

دینِ اسلام شریعت ومنہاج کا نام ہے:

اس وقت اسلام ہی دینِ فطرت ہے اور قرآنِ کریم کے مطابق یہ ''شریعت'' اور ''منہاج'' کا مجموعہ ہے۔ سابقہ ادیان بھی انھی دو چیزوں سے مرکب تھے، لیکن اسلام اکمل واتم ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ [المائدۃ: ٤٨]

''پس ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے اُس سے ہٹ کر جو حق میں سے آپ کے پاس آیا ہے، تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ (شریعت) اور ایک طریقہ (منہاج) مقرر کیا ہے۔''

چنانچہ اسلام صرف عقائد اور حرام وحلال کی معرفت ہی نہیں کرواتا، بلکہ ان اُمورِ شرعیہ کو ایک مومن نے اپنی زندگی اور کل دُنیا میں جاری کیسے کرنا ہے، وہ یہ بھی سکھاتا ہے جسے ''منہاج'' کہتے ہیں۔ ''منہاج'' کے عظیم اور نمایاں ارکان دعوت الی اللہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ ہیں۔ تکمیلِ دین کے بعد یہ تینوں اپنی جنس کے اعتبار سے ہر انسان پر شرعاً واجب ہیں، لیکن ان اجناس کا کون سا فرد کب اور کس پر واجب ہے، اس کا شرعی حکم حالات واَفراد کے اعتبار سے متعین ہوگا۔

اس مختصر وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک کو اسلام کے ابتدائی مکی مدنی دور میں منحصر کرنا، یا حاکمِ وقت کی اطاعت کے نام پر اُمت میں کلیتاً معطل کر دینا، یا کسی ایک کو دوسرے کا متبادل سمجھ لینا (مثلاً: جہاد چھوڑو، صرف دعوت اختیار کرو وغیرہ) شرعاً اور اجماعاً باطل ہے۔

چنانچہ اگر کسی ریاست کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی حرمت پر، یا حرمِ اسلامی پر حملہ ہو جائے تو شریعت کا

مطالبہ جہاد ہے۔ اس مطالبے کو اُمت کا ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق وجود میں لانے کا پابند ہے۔ نہ حاکم کو رُخصت ہے اور نہ عامی کو۔ بلکہ اگر حاکمِ شرعی شریعت کے اس مطالبے کو پورا کرنے میں رُکاوٹ بنے تو وہ بھی حقِ حکومت کھو بیٹھتا ہے کیوں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم کرنے کے لیے حاکم بنا تھا، نہ کہ انھیں معطل کرنے کے لیے۔ اسی طرح اگر کوئی عالمِ دین بیانِ حق سے گریز کرے تو عزت کی بجائے لعنت کا مستحق بنتا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

نبیِ کریم ﷺ نے کلمۂ حصر کے ساتھ فرمایا کہ امام وہی ہے جو اہلِ اسلام کے لیے ڈھال ہو کہ جس کے پیچھے قتال کیا جائے اور جس کے ذریعے جان و مال کا تحفظ ممکن ہو:

((إنما الإمام جنة، يقاتل من ورائه ويتقى به ..... إلخ .)) (صحيح بخاري، رقم: ٢٩٥٧، صحيح مسلم، رقم: ١٨٤١)

اسی لیے علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ملاك أمر الإمامة وأعظم شروطها وأجل أركانها أن يكون قادرا على تأمين السبل وإنصاف المظلومين من الظالمين ومتمكنا من الدفع عن المسلمين إذا دهمهم أمر يخافونه كجيش كافر أو باغ، فإذا كان السلطان بهذه المثابة فهو السلطان الذي أوجب الله طاعته وحرم مخالفته، بل هذا الأمر هو الذي شرع الله له نصب الأئمة وجعل ذلك من أعظم مهمات الدين." (إكليل الكرامة للنواب صديق حسن خان القنوجي)

اس عبارت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ امرِ خلافت کی بنیاد ہی اس شرط پر ہے کہ وہ امنِ عامہ کے قیام، حمایتِ مظلوم اور حرمتِ مسلم کے دفاع کے ساتھ ساتھ کافروں اور ظالموں کے مقابلے میں مسلمانوں کا تحفظ کرے۔ جو حاکم ایسا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، صرف اُسی کی اطاعت واجب ہے۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمان بن حسن بن الامام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"لا يكون الإمام إماما إلا بالجهاد، لا أنه لا يكون جهاد إلا بإمام." (الدرر السنية)

یعنی امام کا وجود جہاد کا محتاج ہے، جہاد امام کا محتاج نہیں۔ (جب کہ یہاں یہ مفتی حضرات اُلٹی چال چل رہے ہیں!)

اور پھر یہ تو حدود اور عام جہاد کی بابت ہے جس میں اِقدامی جہاد بھی شامل ہے، یعنی جس میں دعوت، جزیہ اور

قتال کے مراحل ہوتے ہیں کہ اگر حاکم ان کے قیام کا اہل نہیں تو امامتِ شرعیہ ہی کا اہل نہیں، جب کہ ہم تو فی الحال دفاعی جہاد کی بات کر رہے ہیں جس کا معاملہ کہیں زیادہ سنگین ہے!

اپنی جان کا دفاع ہر ذی روح کی فطرت ہے:

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

اللہ رب العزت نے ہر مخلوق کی جبلت میں ظلم وعدوان کے خلاف مدافعت رکھی ہے۔ ایک جانور بھی اپنی جان اور اولاد پر حملہ کرنے والے سے لڑ جاتا ہے۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ نوعِ انسان کے شرف وفضل کے باوجود اس کی جان کو ظالم حملہ آور کے بھنبھوڑنے کے لیے پیش کر دیا جائے؟!

قرآن متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ۝﴾ [الشوریٰ: ۳۹]

''وہ لوگ کہ جب اُنھیں بغاوت پہنچے، بدلہ لیتے ہیں۔''

صحیح مسلم میں حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ ایک شخص نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ اگر کوئی شخص میرا مال لوٹنے کے لیے مجھ پر حملہ آور ہو تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''اسے اپنا مال نہ دو۔'' پوچھا: اگر وہ مجھ بھڑ جائے؟ فرمایا: ''اُس سے قتال کرو۔'' پوچھا: اگر میں مر جاؤں؟ فرمایا: ''تو تُو شہید ہے۔'' پوچھا: اگر وہ مارا جائے؟ فرمایا: ''وہ آگ میں ہے۔'' (صحیح مسلم، رقم: ۱۴۰) اسی طرح کتبِ سنن کی صحیح احادیث میں دین، جان، مال، عزت اور خاندان کے تحفظ کے لیے قتال کرنے کا حکم اور اس میں مرنے والے کے لیے شہادت کی بشارت موجود ہے۔

غور کیجیے کہ یہ کسی ایک مسلمان کی جان ومال کی حرمت ہے، خواہ وہ فاسق وفاجر اور حملہ آور پانچ وقت کا نمازی ہی کیوں نہ ہو! تو کیا خیال ہے کہ اگر حملہ آور قرآنی اصطلاح میں ''شر الدواب'' (روئے زمین کا بدترین جانور) کافر ہو اور جس پر حملہ کیا جائے، وہ حرمتِ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہو، یا مسلمانانِ اُمت کا ایک عظیم حصہ ہو تو اُصولِ شریعت کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کا فر حملہ آور کے مقابلے میں کسی صورت حرمت ونفوس کے دفاع سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ محض ذاتی حق نہیں ہے، بلکہ اللہ رب العزت کی طرف سے واجب اور محتم امر ہے۔ کتاب وسنت اور سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی صرف اسی کا سبق ملتا ہے، اس کے برعکس کچھ نہیں! جس سے دورِ حاضر کے نام نہاد متجددین کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے جو خود کی طرح دیگر مسلمانوں کو بھی یہودی استعمار کی غلامی کا درس دیتے رہتے ہیں!

صحیح بخاری (رقم: ۳۰۴۵ وغیرہ) میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کا واقعہ موجود ہے جنھوں نے مقابلے کی

صورت میں کفار کے ہاتھوں اپنا قتل تقریباً یقینی ہونے کے باوجود خود کو اُن کے حوالے نہیں کیا، بلکہ ساتھیوں سمیت قتال کرتے ہوئے شہادت حاصل کی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وإن غلب على ظنه أنه يقتل إذا كان القتال يحصل المقصود، وإما فعلا لما يقدر عليه من الجهاد كما ذكرناه عن عاصم بن ثابت وأصحابه." (قاعدة في الانغماس في العدو وهل يباح، ص: ٦٧)

یعنی اگر ایسے دفاع کی صورت میں جان بچنے کی بجائے تلف ہونے کا امکان غالب ہو تب بھی صرف مقصودِ جہاد کے لیے کافر سے لڑنا ایک مومن کی شان ہے کیوں کہ یہ بذاتِ خود عبادت ہے!

یہ امام صاحب کی بصیرت ہے اور اوپر بیان کردہ احادیث مبارکہ کا مقتضی بھی۔ واضح رہے کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس واقعے میں کفار ابھی حملہ آور نہیں ہوئے تھے، بلکہ وہ عہد و امان کی پیشکش کر رہے تھے، لیکن صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی قبول نہ کیا کیوں کہ وہ جانتے تھے:

﴿لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [المنافقون: ٨]

''عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے!''

اس کے برعکس اگر کفار حملہ آور ہوں اور مظلوم اہلِ ملت مدد کی دُہائیاں دے رہے ہوں تو اُن کی نصرت کے لیے ہر صورت میں قتال کرنا واجب و موکد ہے اور حاکم سمیت کسی بھی مسلمان کا اسے ترک کرنا اللہ ذو الجلال کے غضب کو یقینی دعوت دینا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾ [النساء: ٧٥]

''اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے، حالانکہ بعض کمزور مرد، عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنا دے اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنا دے۔''

ہمارے مقامی مدخلیوں کو سوچنا چاہیے کہ قرآن و سنت کی ان نصوص کے بالمقابل یہ عرب حکمران کہاں کھڑے ہیں کہ یہ لوگ معصیتِ الٰہی میں بھی جن کی اطاعت کا دَم بھرتے ہیں.....!!

''الحرمات قصاص''اور مسلم حکمرانوں کی بے حسی:

قرآنِ کریم کا فیصلہ ہے:

﴿اَلْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ﴾ [البقرة: ١٩٤]

''حرمتیں بدلہ ہیں۔''

یعنی کسی انسان کی حرمت کو ضایع نہیں ہونے دیا جائے گا۔اور نبیِ کریم ﷺ کی حرمت کے مقابلے میں تو دُنیا ومافیہا کی تمام حرمتیں کہیں کمتر وفروتر ہیں۔کیا اس کا شرعی بدلہ محض میری اور آپ کی زبانی مذمت ہوسکتا ہے! یہ لکھتے ہوئے میری آنکھیں نہ جانے کیوں ڈبڈبا گئی ہیں۔شاید ندامت،غم اور بے بسی کے ملے جلے آنسو ہیں اور تب تک رہیں گے جب تک نجس فرانس کی اُنھی عمارتوں پر شاتمین سولی نہیں دے دیے جاتے!

پوری مسلم دنیا میں حکومتی سطح پر دینی غیرت اور حبِ رسول ﷺ پر مرمٹنے کا جذبہ تو عنقا ہو چکا ہے جو ظاہر ہے کہ قابلِ افسوس ہے،لیکن اس وقت ہمارے سینے شق ہوتے محسوس ہوتے ہیں جب یہ نام نہاد حکمران اور تمام عرب ریاستوں کے یہ خلیفے چارلی ہیبڈو کے مردار ملعونوں کا جنازہ پڑھنے تو فرانس پہنچ جاتے ہیں،لیکن آج جب فرانس نے میرے نبی ﷺ کی عزت پر حملہ کیا تو یہ خلیفے اور حکمران سن ہیں،مسجدِ اقصیٰ کا فرش روز خونِ مسلم سے رنگین ہوتا ہے اور یہ اُمراء مدہوش ہیں!اس مدہوشی میں مدخلیوں کی طرف سے اُن کی اطاعت کیا معصیتِ صریحہ میں اطاعت نہیں ہے.....؟!

''دفع الصائل'':

ہمیں عرب حکمرانوں سے کوئی ذاتی بغض نہیں اور نہ آج تک کبھی اس طرح سوشل میڈیا پر لکھنا پسند کیا،لیکن جب حرماتِ مقدسہ پر حملوں پر ان خلیفوں کی خاموشی (جو درحقیقت یہود کی خوشنودی ہے) کو شریعت قرار دے دیا جائے تو پھر ردِعمل میں خاموش رہنا اپنے دین کا قتل ہے،خصوصاً جب معاملہ فرد کا نہیں،بلکہ اُمت کا ہو۔فرد کا دفاع بھی کافر مقاتل سے واجب ہے جسے فقہی اصطلاح میں ''دفع الصائل'' کہتے ہیں،لیکن جب نشانہ اُمت ہو تو ''دفع الصائل'' پر بطریقِ اولیٰ قیاس کرتے ہوئے فقہاء نے قتالِ دفاعی کو ایمان باللہ کے بعد سب سے اہم فریضہ قرار دیا ہے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فالعدو الصائل الذي يفسد الدين والدنيا، لا شيء أوجب بعد الإيمان من دفعه، فلا يشترط له شرط." (الفتاوى الكبرى: ٥٣٨/٥)

یعنی ایمان باللہ کے بعد دفاعِ اُمت کے لیے غیر مشروط قتال وجوب کے مرتبے پر ہے۔

یہاں تک کہ فرض نمازوں سے بھی زیادہ موکد ہے!غزوۂ خندق کے دفاعی جہاد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ

نے عشاء کے وقت میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بالترتیب ادا کیں جس کا آپ کو شدید رنج تھا۔ اور معلوم ہی ہے کہ نمازوں، خصوصاً عصر کی نماز کا وقتِ مقررہ پر ادا کرنا کتنا تاکیدی حکم ہے۔

کیا دفاعی جہاد میں تعداد کی برابری ضروری ہے؟

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کو بیان کیا ہے، چنانچہ رقم طراز ہیں:

"فقتال الدفع أوسع من قتال الطلب وأعم وجوبا، ولهذا يتعين على كل أحد يقم ويجاهد فيه، العبد بإذن سيده وبدون إذنه، والولد بدون إذن أبويه، والغريم بغير إذن غريمه، وهذا كجهاد المسلمين يوم أحد والخندق، ولا يشترط في هذا النوع من الجهاد أن يكون العدو ضعفي المسلمين فما دون، فإنهم كانوا يوم أحد والخندق أضعاف المسلمين فكان الجهاد واجبا عليهم، لأنه حينئذ جهاد ضرورة ودفع، لا جهاد اختيار، ولهذا تباح فيه صلاة الخوف بحسب الحال في هذا النوع." (الفروسية، ص: ١٨٨)

اس اقتباس سے کئی باتیں معلوم ہوئیں، مثلاً: جہادِ دفاعی میں تعداد کی برابری شرط نہیں۔ حملہ آور کئی گنا بڑا ہو، تب بھی لڑنا لازم ہے، جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے غزواتِ خندق واُحد کی مثالیں دی ہیں۔ اسی طرح گزشتہ صفحات میں حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ والی روایت میں سات لوگوں کا دوسو تیراندازوں کے مقابلے میں قتال مذکور ہے جو بیس گنا سے بھی زیادہ ہے۔ اس سے یہ کمزوری اور مجبوری والا ڈھونگ بھی ختم ہوجاتا ہے۔

اسی طرح جہادِ دفاعی کے وجوب کا ذکر ہے کہ اگر حملہ کیے گئے مسلمان اپنا دفاع کرنے سے عاجز ہوں تو یہ وجوب اردگرد کے مسلمان علاقوں پر متعین ہوتا چلا جائے گا، تاوقت کہ دفاع کے لیے کافی ہوجائیں، بصورت دیگر اُمت کے ہر فرد پر واجبِ عینی ہوجائے گا، کفائی نہیں رہے گا اور واجب بھی ایسا کہ جس کا تقاضہ ایمان باللہ کے فوراً بعد ہے۔ پھر اگر حاکمِ شرعی اس کے لیے اُٹھ کھڑا ہو تو اُس کی اطاعت لازم ہے اور اگر بیٹھا رہے تو فریضۂ جہادِ دفاعی معطل نہیں ہوگا کیوں کہ وہ حاکم کا محتاج نہیں، بلکہ ہر فرد اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اسے انجام دینے کا پابند ہوگا۔

اگر جہاد فرضِ عین ہو چکا ہے تو خود کیوں نہیں نکلتے؟ (ایک ڈھکوسلا):

موجودہ حالات میں علمائے کرام، داعی حضرات اور عوام جو نہ تو نصرت ومدد کے لیے مظلوم کے پاس جاسکتے ہیں اور نہ اُن کے پاس توپ وتفنگ ہے، اُن پر کم سے کم فریضہ "جہاد باللسان" ہے کہ اُمت کو اور مقتدر قوتوں کو حق تو بتائیں کہ یہود اور اُن کے پروردہ، یا معاون صلیبیوں (فرانس وغیرہ) کے خلاف قتال واجب ہے اور نہ کرنا لعنت

وذلت ہے۔سورت مائدہ آیت:۵۴ میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝﴾ [المائدة: ٥٤]

''اے ایمان والو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ بہت جلد ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے، مومنین کے ساتھ نرمی سے اور کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آنے والے ہوں گے، راہِ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑا علم والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بعثت بين يدي الساعة بالسيف، حتى يعبد الله وحده لا شريك له، وجعل رزقي تحت ظل رمحي، وجعل الذل والصغار على من خالف أمري، ومن تشبه بقوم فهو منهم.)) (مسند أحمد، رقم: ٥١١٥)

''مجھے قیامت تک کے لیے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جانے لگے۔اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے۔اور جس نے میرے (اس) امر کی مخالفت کی، اُس کے لیے ذلت اور پستی رکھ دی گئی ہے۔اور جس نے (میرے طریقے کو چھوڑ کر) کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ اُنھی میں سے (شمار) ہوگا۔''

یہ حکمِ شرعی اور اسی طرح شاتمینِ فرانس نجس کے خلاف قتال کے وجوب کا حکمِ شرعی اُمت کو کون بتائے گا؟

مصلحت انگیزی کا گرداب:

علماء کو نجانے کون سی سیاسی اور دینی مصلحتیں سوجھ رہی ہیں جو وہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی اُمت کی ناموس کے دفاع سے بھی بڑی دینی مصلحتیں ہیں.....؟؟ میں نے تو کئی دفعہ سوال کیا ہے اور جواب میں یا تو خاموشی ملتی ہے، یا دلیلِ شرعی کی بجائے عرب خلیفوں کی مجبوریاں بصورت زمینی حقائق سننے کو ملی ہیں اور زمینی حقائق بھی وہ جو ادھورے ہیں۔مصر کے موجودہ فرعون کی اسرائیل کے ساتھ گٹھ جوڑ کی زمینی حقیقت اس میں نہیں تھی، ایک عرب لونڈے کے ہاتھوں "Vision 2030" کے نام پر سرزمینِ مقدس میں الحاد پھیلانے اور ہزاروں جید علمائے عرب کو زندانوں میں پھینکنے کی مجبوری بھی نہیں تھی، اُردن اور ہمسایہ خلیفوں کا اپنی سرحدوں کے ذریعے فلسطینیوں پر

عرصۂ حیات تنگ کرنے اور اسرائیل کا سہولت کار بننے کی مجبوری بھی نہیں تھی جس کا اظہار اسرائیلی انٹیلی جنس کے سربراہ نے بھی کیا، حالانکہ یہ بھی کشمیر کے لاک ڈاؤن کی طرح سلبی جنایت ہے جو یہود کی ثبوتی جنایت وجرم سے کم نہیں!

اس طرح کے بہت سے زمینی حقائق ہیں جو پورے سچ ہی میں آسکتے تھے، ادھورے میں نہیں۔ اس طرح کے علماء یاد رکھیں کہ جس طرح ظالم کی حمایت جرمِ عظیم ہے، اسی طرح ظالم کے جرم میں تخفیف کا تاثر دینا بھی جرمِ عظیم، کتمانِ حق اور بدترین تلبیس ہے۔ بلکہ بڑے شر کی طغیانی کے موقع پر اس کے بارے میں مطلق خاموشی اور اُس کے مقابلے میں کہیں چھوٹے شر پر بولنا بھی کتمانِ حق کی ایک شکل ہے، جب کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا﴾ [الأنعام: ١٥٢]

''اور جب بات کرو تو انصاف کرو۔''

لہٰذا اللہ کا خوف کیجیے اور اب جب کفر میرے نبی ﷺ کی حرمت کے خلاف یورپی اتحاد بنا چکا ہے، آپ کو تب بھی مصلحتیں نظر آرہی ہیں! کل جب یہ فتنہ آپ کی داڑھیاں نوچنے پہنچ جائے گا، پھر کس مُنھ اور دلیل سے مقابلہ کریں گے؟! کیا حوضِ نبی ﷺ پر مُنھ دکھانے کے قابل رہیں گے کہ حضور ﷺ! آپ کی عزت پر غیرت نہیں آئی، لیکن اپنی مار پر آ گئی.....!

ہمارے بولنے سے کیا ہوگا؟

کہتے ہیں کہ ہمارے بولنے سے کیا ہوجائے گا؟ گھر میں ڈاکو گھس آئے اور عزت پر حملہ کردے تو کیا خاموشی سے سب کچھ لٹواتے اور اُس کو اخلاقِ حسنہ کے فضائل بیان کرتے رہیں گے یا جو بھی بن پڑا، کر گزریں گے؟!

تغیرِ منکر کے لیے جہاد بالید کے بعد کیا جہاد باللسان کا درجہ نہیں ہے؟ کیا ((فإن لم يستطع فبلسانه)) فرمانِ رسول ﷺ نہیں؟ اور جب قتالِ دفاعی میں آپ کے لیے جہاد باللسان کی عدمِ استطاعت کی علت موجود نہیں، یا شرعاً معتبر نہیں، جیسا کہ اوپر کے دلائل سے واضح ہے تو پھر کیا نہ بولنا بنصِ قرآنی موجبِ لعنت نہیں؟!

اس لیے ان حالات میں یہ کہنا کہ بولنے سے کیا ہوگا، عمل گریزی کی بدترین صورت ہے۔ بولنا اور اُمت کو اس سنگین ترین مسئلے پر علم دینا ہی تو عمل کی بنیاد ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے عنوان قائم کیا ہے:

"العلم قبل القول والعمل."

''علم قول وعمل سے پہلے ہے۔''

جب علماء منبر ومحراب سے اُمت کو آگاہی دیں گے جس سے ہر خاص وعام میں حق پھیلے گا اور ہر جگہ سے ''الجہاد الجہاد'' کی آوازیں بلند ہوں گی تو یقیناً عمل بھی وجود میں آئے گا کہ یہی طریقۂ نبوی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی

سنت ہے۔اس اُمت میں اِحیائے دین اور اِحیائے جہاد کا پہلا مرحلہ تعلیم وتعلّم ہی ہے اور اسی کی برکت سے حق کے انقلاب آیا کرتے ہیں۔صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جہنمی شخص کے بارے میں (جس کا نام قزمان بتایا گیا ہے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے دین کی نصرت کا کام لیا ہے:

((وإن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر .)) (صحيح بخاري، رقم: ٣٠٦٢)

بلکہ اسے ایک عام قاعدے کی حیثیت میں بیان فرمادیا تو کیا اُمتِ مسلمہ کے جمیع افراد واہلِ اقتدار اس ''قزمان'' سے بھی بدتر ہو چکے ہیں؟ یہ مایوسی اور بزدلی صرف تکفیری یا مدخلی سوچ ہی کی پیداوار ہوسکتی ہے!

اس لیے بولو کہ کم سے کم درجۂ جہاد اس وقت یہی ہے اور شعورِ حق کو عام کرو، تاکہ اللہ کی نصرت آئے، ورنہ خاموشی سب کو لے ڈوبے گی، جیسا کہ نبیِ مکرم ﷺ نے نہی عن المنکر کے باب میں کشتی والی مثال سے سمجھایا ہے۔

''جہادِ دفاعی غیر مشروط ہے'' پر اجماعِ اُمت:

سابقہ سطور میں میں گزر چکا ہے کہ جہادِ دفاعی کے لیے حاکمِ شرعی کی اجازت اور طاقت کے موازنے سمیت کوئی شرط نہیں عائد نہیں ہوتی۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے "لا يشترط له شرط" اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اپنے کلام کے ذریعے اسے خوب واضح کر دیا ہے، لہٰذا جو عملاً مظلوم کی مدد واعانت کے لیے جانے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ ضرور جائے، جو ترغیب دلاسکتا ہے اور عوامی تحریک بیدار کرسکتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور ایسا کرے۔اس کے لیے کسی مقروض کو قرض خواہ سے، بیوی کو شوہر سے، عوام کو حاکم سے یا غلام کو آقا سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، سوائے اس کے کہ یہ جہاد حاکمِ شرعی یا علمائے اُمت کی راہنمائی میں ہو رہا ہو کہ ﴿أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [النساء: ٥٩] میں یہ دونوں بالا ولیٰ داخل ہیں، ورنہ بہرصورت قتالِ دفاعی کو وجود میں لایا جائے گا جس کے لیے کسی شرط کا تحقّق ضروری نہیں۔اسی طرح عدمِ کفایت کی صورت میں یہ قتال جمیع مسلمانوں پر واجب العین ہوگا۔

یہ صرف امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمہما اللہ ہی کا موقف نہیں ہے، بلکہ اس پر اُمت کا اجماع ہے۔کبار ائمۂ امت، مثلاً: مفسر قرطبی، فقیہ ابن قدامہ، مفسر ابن عطیہ اور امام ابن حزم رحمهم الله جميعا سب اسی کے قائل ہیں:

❁ علامہ ابن رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اطاعتِ امامِ شرعی صرف تب تک ہے جب تک وہ جہادِ وجوبی سے روکنے کی معصیت کا مرتکب نہ ہو:

"طاعة الإمام لازمة وإن كان غير عدل ما لم يأمر بمعصية ، ومن المعصية النهي عن الجهاد المتعين ." (فتح العلي المالك في الفتوى على مذهب الإمام

مالك: ٣٩٢/١)

❁ امام ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ومن حضر الصف من أهل فرض الجهاد أو حضر العدو بلده تعين عليه (الجهاد) بلا نزاع." (المقنع في فقه الإمام أحمد، ص: ١٣٦)

❁ علامہ مرغینانی "الهداية" میں کہتے ہیں:

"فإن هجم العدو على بلد وجب على جميع الناس الدفع، تخرج المرأة بغير إذن زوجها، والعبد بغير إذن المولى، لأنه صار فرض عين، وملك اليمين، ورق النكاح لا يظهر في حق فروض الأعيان كما في الصلاة والصوم."

(الهداية في شرح بداية المبتدي: ٣٧٨/٢)

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

"قال أصحابنا: الجهاد اليوم فرض كفاية، إلا أن ينزل الكفار ببلد المسلمين فيتعين عليهم الجهاد، فإن لم يكن في أهل ذلك البلد كفاية وجب على من يلهيم تتميم الكفاية." (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: ٩/١٣)

اسی طرح "المجموع" میں فرماتے ہیں:

"والجهاد فرض عين على كل مسلم إذا انتهكت حرمة المسلمين في أي بلد فيه لا إله إلا الله محمد رسول الله ﷺ ..... لقول الله تعالى: ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ [التوبة: ٤١] ولقول معمر: كان مكحول يستقبل القبلة، ثم يحلف عشر أيمان أن الغزو واجب، ثم يقول: إن شئتم زدتكم." (المجموع شرح المهذب: ٢٦٩/١٩)

علامہ حمود بن عقلاء الشعيبي فرماتے ہیں:

"وحكم الجهاد في وقتنا الحاضر أنه فرض عين على كل قادر عليه، وقد أجمع علماء الأمة قديما وحديثا على أن الجهاد يكون فرض عين في ثلاث حالات:

الأولى: إذا حصر العدو بلدا من بلاد المسلمين أو احتلها.

والحالة الثانية: إذا حضر الصف في معركة بين المسلين والكفار.

والحالة الثالثة: إذا استنفره الإمام الشرعي." (فتوى في بيان حكم الجهاد واستئذان الوالدين، ص: ٥)

یہ اور اس طرح دیگر تصریحات کسی بھی کوتاہ بین کو دکھانے کے لیے کافی ہیں کہ کسی صورت میں بھی جہادِ دفاعی کے فریضے کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ کہ اگر امامِ شرعی اس میں علانیہ کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو نہی عن المنکر کے تحت ہر صورت اُسے روکا اور ٹوکا جائے گا، منبر و محراب سے بھی اور دیگر ذرائع کو اختیار کرتے ہوئے بھی۔